حضرتِ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذمتِ یزید پر ایک روایت کی سند و متن پر بحث:

امام ابو عبد اللہ الحاکم نیشاپوری (المتوفیٰ:۴۰۵ھ) روایت کرتے ہیں:

أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْمَحْبُوبِيُّ، ثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَسْعُودٍ، ثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَنْبَأَ ابْنُ عَوْنٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «الْآيَاتُ خَرَزَاتٌ مَنْظُومَاتٌ فِي سِلْكٍ، يُقْطَعُ السِّلْكُ فَيَتْبَعُ بَعْضُهَا بَعْضًا» قَالَ خَالِدُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ: كُنَّا نَادين بِالصَّبَاحِ، وَهُنَاكَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو، وَكَانَ هُنَاكَ امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي الْمُغِيرَةِ يُقَالُ لَهَا: فَاطِمَةُ، فسمعت عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو يَقُولُ: «ذَاكَ يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ» ، فَقَالَتْ: أَكَذَاكَ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو تَجِدُهُ مَكْتُوبًا فِي الْكِتَابِ؟ قَالَ: «لَا أَجِدُهُ بِاسْمِهِ وَلَكِنْ أَجِدُ رَجُلًا مِنْ شَجَرَةِ مُعَاوِيَةَ يَسْفِكُ الدِّمَاءَ، وَيُسْتَحَلُّ الْأَمْوَالَ، وَيَنْقُضُ هَذَا الْبَيْتَ حَجَرًا حَجَرًا، فَإِنْ كَانَ ذَلِكَ وَأَنَا حَيٌّ وَإِلَّا فَاذْكُرِينِي» ، قَالَ: " وَكَانَ مَنْزِلُهَا عَلَى أَبِي قُبَيْسٍ، فَلَمَّا كَانَ زَمَنُ الْحَجَّاجِ، وَابْنِ الزُّبَيْرِ وَرَأَتِ الْبَيْتَ يُنْقَضُ، قَالَتْ: رَحِمَ اللَّهُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو قَدْ كَانَ حَدَّثَنَا بِهَذَا"

ترجمہ: ہمیں خبر دی ابو العباس محمد بن احمد المحبوبی نے، انہوں نے سنا سعید بن مسعود سے، انہوں نے سنا یزید بن ہارون سے، ان کو خبر دی ابنِ عون نے، انہوں نے بیان کیا خالد بن الحویرث سے، اور انہوں نے حضرتِ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" فتنے تو بیجوں کی طرح ہیں جو دھاگے میں باندھ دیئے جائیں، جیسے ہی دھاگا ٹوٹے وہ سارے بیج ٹوٹ کر بکھر جائیں"

خالد بن الحویرث کہتے ہیں: مقام صباح پر اذان دی جا رہی تھی، اور وہاں عبد اللہ بن عمرو موجود تھے، اور ایک عورت جو بنی مغیرہ سے تھی موجود تھی جس کو فاطمہ کہا جاتا تھا، پس میں نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ آپ نے فرمایا:

"وہ یزید بن معاویہ ہے"

پس اُس عورت نے کہا:

"اے عبد اللہ بن عمرو! کیا آپ نے یہ کسی کتاب میں دیکھا ہے؟"

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

"میں نے نام کے ساتھ تو نہیں دیکھا مگر یہ دیکھا ہے کہ ایک شخص معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلب میں سے عوام کا بری طرح قتل عام کرے گا، عوام کا مال وہ غیر شرعی طور پر ضبط کرے گا، اور کعبہ کی تباہی کی کوشش میں وہ گھر (بیت اللہ) کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا، اگر یہ میری حیات میں ہو جائے تو ٹھیک ورنہ مجھے یاد رکھنا"

خالد بن الحویرث کہتے ہیں: اس عورت کا گھر جبل ابو قبیس پر تھا، جب ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حجاج کا وقت آیا، تو کعبہ کا یہی حال تھا کہ وہ ٹوٹ چکا تھا، اس عورت نے کہا:

"اللہ کی رحمت ہو عبد اللہ بن عمرو پر، جنہوں نے پہلے ہی ہمیں اس کے بارے میں بتا دیا تھا"

[المستدرک علی الصحیحین، جلد ۴، صفحہ نمبر ۵۲۰، رقم: ۸۴۶۱، وذکرہ الامام بخاری فی التاریخ الکبیر جلد ۳، صفحہ نمبر ۱۴۴، رقم نمبر: ۴۸۷، والحافظ ابن مندہ فی فتح الباب في الکنی والألقاب، صفحہ نمبر ۲۵۱، رقم: ۲۱۳۶، وذکرہ البوصیری فی إتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ، جلد ۷، صفحہ نمبر ۱۱۲، رقم: ۶۱۱۷ وفی سبل الھدی والرشاد في سیرۃ خیر العباد، جلد ۱۰، صفحہ نمبر ۸۹]

اس موضوع پر احقر نے صرف اس روایت کو پیش کیا تھا اور اس کے بعد اس کی تصحیح پر آئمہ کے اقوال پیش کیے تھے۔ اس پر ابو المحبوب شاہ راشدی صاحب کی ایک تحریر سامنے آئی جس کا نام "یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت" ہے۔ ان شاء اللہ العزیز! ہم اس تفصیلی تبصرے میں موصوف کی تحریر پر تبصرہ کریں گے۔

۱۔ کن آئمہ نے اس روایت کو 'صحیح' یا مستند قرار دیا؟

محترم محبوب شاہ راشدی صاحب نے سب سے پہلے "اسنادی بحث" کا ذکر چھیڑتے ہی ان آئمہ و علماء کے بارے میں تحریر کا آغاز کیا جن سے اس روایت کی تصحیح یا تحسین کا تذکرہ ہم نے کیا تھا۔ موصوف فرماتے ہیں:

"اوّلاً، موصوف نے روایت کے مصححین میں علّامہ ابن حجر رحمہ اللہ کو بھی شامل کیا ہے، اور ان کی یہ تصحیح "المطالب العالیہ" سے نقل کی ہے، جبکہ تلاش بسیار کے باوجود ہمیں یہ تصحیح اس کتاب میں نہیں مل سکی، امید ہے ابن حجر کی تصحیح سے استفادہ کا موقع دیا جائے گا"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۱۰]

موصوف نے مطالب العالیہ کے بارے میں ایک غلطی کی جانب اشارہ کیا کہ اس میں تو کہیں بھی اس سند کو جیّد نہیں قرار دیا گیا۔ ان کی بات بالکل مناسب ہے۔ دراصل دار الکتب العلمیہ میں مطالب العالیہ کو اتحاف المھرۃ کے ساتھ شائع کیا گیا تھا، یعنی دونوں کتابیں شامل تھیں۔ جس کے سبب اتحاف المھرۃ والا اقتباس میں نے غلطی سے علّامہ ابنِ حجر کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ وہ میری غلطی تھی۔ اللہ مجھے معاف فرمائے۔ آمین!

محترم نے امام ابو عبد اللہ الحاکم رحمہ اللہ کے تساہل کا تذکرہ کیا ہے، جس پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ امام ابو عبد اللہ الحاکم علیہ الرحمہ بیشک متساہل ہیں۔

وہ فرماتے ہیں:

"امام حاکم تصحیح و تحسین میں متساہل واقع ہوئے ہیں، یہاں ان کی تصحیح دلائل کی رو سے درست نہیں، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۱۰]

اگرچہ امام حاکم رحمہ اللہ کا تساہل مشہور ہے، مگر بعض آئمہ سے امام حاکمؒ کی تصحیح کے حوالے سے حیرت انگیز اقوال منقول ہیں۔ حافظ ابن صلاح رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

واعتنى الحاكم أبو عبد الله الحافظ بالزيادة في عدد الحديث الصحيح على ما في الصحيحين، وجمع ذلك في كتاب سماه " المستدرك " أودعه ما ليس في واحد من الصحيحين: مما رواه على شرط الشيخين قد أخرجا عن رواته في كتابيهما،أو على شرط البخاري وحده،أو على شرط مسلم وحده، وما أدى اجتهاده إلى تصحيحه وأن لم يكن على شرط واحد منهما.وهو واسع الخطو في شرط الصحيح، متساهل في القضاء به. فالأولى أن نتوسط في أمره فنقول: ما حكم بصحته، ولم نجد ذلك فيه لغيره

من الأئمة،أن لم يكن من قبيل الصحيح فهو من قبيل الحسن، يحتج به ويعمل به، إلا أن ظهر فيه علة توجب ضعفه.ويقاربه في حكمه صحيح أبي حاتم بن حبان البستي، رحمه الله أجمعين.والله أعلم.

ترجمہ: الحاکم، ابو عبد اللہ الحافظ نے خاص توجہ دی اس طرف کہ صحیحین سے ایسی احادیث کا اضافہ کیا جائے جو ان دونوں کتب میں موجود نہیں ہیں، اور انہوں نے ایسی احادیث کو جمع کیا ایک کتاب میں جس کا نام "المستدرک" ہے جس میں انہوں نے ایسی روایات بیان کی ہیں جو صیحیحین میں نہیں ہے، جس میں ایسی حدیثیں بیان کی گئیں جو شیخین کی شرط پر صحیح ہوں مگر ان کی کتابوں میں موجود نہ ہوں، یا پھر صرف البخاری کی شرط پر ہو، یا صرف مسلم کی شرط پر ہو، وہ صحیح کی شرط کے اطلاق میں بہت آزاد اور جلد باز رہے، اور آپ نے ان پر تساہل کے ساتھ فیصلے صادر فرمائے۔ پس بہتر یہ ہے کہ ان کے متعلق اعتدال اختیار کیا جائے، پس جب وہ کسی حدیث کو صحیح قرار دیں، اور دیگر آئمہ سے اس کے متعلق کوئی قول موجود نہ ہو، تو اگر اس کو صحیح نہ کہا جائے وکم از کم اس کو درجہ حسن سمجھا جائے، اس سے احتجاج بھی کیا جائے اور اس پر عمل بھی ہو، سوائے اس کے کہ کوئی ایسی علّت مل جائے جو ضعف کو لازم کر دیتی ہو، ابی حاتم ابن حبّان کی صحیح کے حکموں کے متعلق بھی یہی فیصلہ ہے، اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

[علوم الحدیث وشرحہ التقیید والإیضاح، صفحہ نمبر ۱۷]

اس سے معلوم ہوتا کہ حافظ ابن صلاح رحمہ اللہ کے مطابق امام حاکم رحمہ اللہ کی تصحیح بالکل ردّ نہیں ہو جاتی، بلکہ اعتدال کا راستہ یہ ہے کہ جب علّت موجود نہ ہو، تو ان کا تفرد بھی کم از کم درجہ حسن سمجھا جائے۔ خیر، امام حاکم نے تو اس روایت کی تصحیح میں تفرد کیا ہی نہیں، بلکہ دیگر آئمہ سے بھی تصحیح ثابت ہے۔

پھر موصوف فرماتے ہیں:

"امام بوصیری نے درج بالا مصدر میں واقعتاً المستدرک کی اس روایت کو 'جیّد' قرار دیا ہے، مگر یہ حقیقت ہے کہ صحتِ سند صحتِ حدیث کو مستلزم نہیں"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۱۰]

سند کی صحت حدیث کی صحت کو لازم نہیں کرتی، یہ بات درست ہے۔ مگر یہ بات اُسی وقت درست ہے جب متن میں کوئی نکارت پائی جائے۔ امام بوصیری رحمہ اللہ نے متن پر کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ اس کے علاوہ یہ تک ذکر کیا کہ اس حدیث کے شواہد بھی موجود ہیں۔ امام بوصیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولہ شاھد من حدیث أنس رواہ الحاکم وصححہ وإبن حبان في صحیحة من حدیث ابي ھریرة

ترجمہ: اس حدیث کی متابعت ایک حدیثِ انس بن مالکؓ ہے، جس کو حاکم نے روایت کیا اور اس کی تصحیح کی، اس کے علاوہ ابن حبّان نے ابو ہریرہؓ سے بھی اس کو نقل کیا۔

[إتحاف الخیرة المھرة بزوائد المسانید العشرة، جلد۷، صفحہ نمبر ۱۱۲، رقم:۶۱۱۷]

امام بوصیری رحمہ اللہ کا شواہد کا تذکرہ کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آپ حدیث کو بھی صحیح ہی مانتے تھے۔ بالفرض اگر صرف سند ہی کو صحیح مانتے تھے، متن کو صحیح نہیں مانتے تھے، تب بھی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ اس کے تمام راویوں کو ثقہ ضرور سمجھتے ہوں گے جس سے کافی امور میں ہمارا موقف مضبوط ہوتا ہے، جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے پیش کی جائے گی۔

موصوف نے بعد ازاں فرمایا:

"رہے امام محمد بن یوسف الصالحی، تو وہ دسویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں، وہ آئمہ نقد میں سے نہیں ہیں، لہذا انہیں بھی اس روایت کے مصححین میں شمار کرنا محض نمبر بڑھانے کے مترادف ہے"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۱۱]

امام یوسف بن الصالحی الشامی الدمشقی رحمہ اللہ کے بارے میں کتب سے مراجعت کی جائے تو وہ ایک جلیل القدر عالم تھے اور محدث بھی تھے۔ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ متاخر ہونے کے سبب ان کی دیگر ناقدین کے سامنے اہمیت کم ہے، مگر

بالکل ہی ان کی تصحیح کو بیکار نہیں کہا جاسکتا۔ علّامہ ابن العماد نے ان کا تویل تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ، وہ امام شعرانی کے حوالے سے ان کی مدح نقل کرتے ہیں:

نقل عن الشعراني في ذيل طبقاته ، قال كان عالماً مفنناً في العلوم ، وألف في السيرة النبوية التي جمعها من ألف كتاب ، وأقبل الناس على كتابتها ، ومشى فيها على أنموذج لم يسبقه إليه أحد ، وكان عزباً لم يتزوج قط ، وإذا قدم عليه الضيف يعلق القدر ويطبخ له . وكان حلو المنطق مهيب النظر كثير الصيام والقيام

ترجمہ: الشعرانی نے اپنے طبقات کے ذیل میں کہا: وہ عالم تھے جو کئی علوم وفنون کے ماہر تھے، اور انہوں نے ہزار کتابوں سے سیرتِ نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جمع کی تھی اور لوگوں نے ان کی کتاب کو قبول کیا، انہوں نے ایسی مثال قائم کی کہ ان سے پہلے کوئی ایسا نہ گذرا تھا، وہ ایک ایسے شخص تھے جنھوں نے کبھی شادی نہ کی، جب مہمان آتے تھے، تو وہ خود ہی ان کی قدر کرتے اور ان کے لیے کھانا وغیرہ تیار کرتے، وہ عمدہ منطق رکھتے تھے، وسیع النظر تھے اور کثرت سے روزے اور نمازیں پڑھا کرتے تھے۔

[شذرات الذهب في أخبار من ذهب، جلد ١٠، صفحہ نمبر ٣٥٣]

ان کے متعلق علّامہ ابن حجر الہیتمی رحمہ اللہ کا یہ قول موجود ہے:

صاحبنا الشيخ العلامة، الصالح، الفهامة، الثقة، المطلع، الحافظ، المتبع، الشيخ محمد الشامي الدمشقي، ثم المصري

[فهرس الفهارس والأثبات و معجم المعجو والمسلسلات، صفحہ نمبر ٦٦١]

امام محمد بن یوسف الشامی رحمہ اللہ نے کئی کتابیں تحریر کی ہیں جن میں حدیث کی کتابیں بھی شامل تھیں، جن میں سے ایک کتاب کا نام "الفوائد المجموعة في أحاديث موضوعة" ہے۔ الغرض، علوم الحدیث سے منسلک سے انہوں نے تحقیقات تو بہر حال کی ہیں۔

مزید براں یہ کہ دسویں یا نویں صدی ہجری میں سے ہونا عیب نہیں ہے، امام المحدثین علّامہ ابن حجر علیہ الرحمہ بھی نویں صدی سے تھے۔

ہمارے مطابق اس روایت کی تحسین و تصحیح ان تمام آئمہ سے ثابت ہے:

۱۔ امام ابو عبد اللہ الحاکم النیشاپوری علیہ الرحمہ نے اس کو المستدرک میں نقل کیا لہذا یہ ان کے نزدیک صحیح ہے۔ [المستدرک علی الصحیحین، جلد ۴، صفحہ نمبر ۵۲۰، رقم: ۸۴۶۱]

۲۔ اس کی سند کو امام البوصیری علیہ الرحمہ نے 'جیّد' قرار دیا ہے۔ [إتحاف الخیرۃ المهرۃ بزوائد المسانید العشرۃ، جلد ۷، صفحہ نمبر ۱۱۲، رقم: ۶۱۱۷]

۳۔ امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی (المتوفیٰ: ۹۴۲ھ) نے اس کی سند کو جیّد کہا۔ [سبل الهدی والرشاد في سیرۃ خیر العباد، جلد ۱۰، صفحہ نمبر ۸۹]

۴۔ شیخ احمد شاکر نے بھی اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔ [المسند للإمام أحمد، جلد ۶، صفحہ نمبر ۴۶۸، رقم: ۷۰۴۰]

سارا معاملہ یہیں ہی کافی حد تک رفع ہو جاتا ہے کیونکہ امام حاکمؒ اکیلی کسی روایت کی تصحیح کریں، تو وہ معتبر نہیں سمجھی جاتی مگر امام حاکم رحمہ اللہ کی توثیق کو مختلف محدثین کی حمایت حاصل ہے۔

۲۔ اِس حدیث کے رواۃ کی ثقاہت پر بحث:

حضرتِ موصوف نے اس کے بعد اس حدیث کی سند کے بعض رواۃ پر کلام فرمایا ہے، جن میں سب سے پہلے "فَاطِمَةُ مِنْ بَنِي الْمُغِيرَةِ" کا تذکرہ کیا، پھر فرمایا:

"اس عورت کو مجھے کہیں ترجمہ نظر نہیں آیا، نہ ہی کسی محدث سے نصاً کوئی توثیق نظر آئی، اور اس سے روایت کرنے والا صرف خالد بن الحویرث ہے، نیز اس سے روایت کا صرف ایک ہی حصّہ مروی ہے"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۱۱]

ان صاحب کا خیال ہے کہ اس روایت کو عبد اللہ بن عمروؓ سے فاطمہ روایت کر رہی ہیں؟ اگر وہ ایسا سوچ رہے ہیں، تو ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ اس روایت کی راوی نہیں ہیں۔ اس پورے واقعے کو روایت خالد بن الحویرث ہی نے کیا ہے، یہ

خاتون تو صرف اس واقعے کا حصّہ ہیں۔ امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، سعید بن جبیر فرماتے ہیں:

إنا لعند ابن عباس في بيته، إذ قال: سلوني؟ قلت: اي ابا عباس جعلني الله فداءك بالكوفة رجل قاص يقال له نوف يزعم انه : ليس بموسى بني إسرائيل

ترجمہ: ہم ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں ان کے گھر حاضر تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ دین کی باتیں مجھ سے کچھ پوچھو۔ میں نے عرض کیا: اے ابوعباس! اللہ آپ پر مجھے قربان کرے کوفہ میں ایک واعظ شخص نوف نامی (نوف بکالی) ہے اور وہ کہتا ہے کہ موسیٰ، خضر علیہ السلام سے ملنے والے وہ نہیں تھے جو بنی اسرائیل کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام ہوئے ہیں۔

[صحیح البخاری، کتاب التفسیر القرآن، باب نمبر۳، رقم:۴۷۲۶]

روایتِ ہذا پر غور کریں، ایک کوفی واعظ کے ایک قول کا تذکرہ ہے، یہ کوفی واعظ مجہول ہے، نہ اس کا نام معلوم ہے نہ ہی اس کی ثقاہت ثابت ہے، مگر یہ واقعے کا حصّہ ہے۔ تو کیا میں یہ کہوں کہ یہ مجہول شخص اس روایت کا راوی ہے، اس لیے صحیح بخاری کی یہ روایت مجہول راوی سے مروی ہے؟ کوئی شخص اگر واقعے کا حصّہ ہے، تو وہ روایت کا راوی نہیں بن جاتا۔ اس لیے اس کا مجہول ہونا عیب بھی نہیں ہے۔

پھر محترم نے خالد بن الحویرث کے حوالے سے کچھ باتیں عرض کیں ہیں، خالد بن الحویرث کی ثقاہت کے حوالے سے ان شاء اللہ ایک دوسری جگہ تذکرہ ہو گا، یہاں صرف ان کی طرف سے عرض کی گئی چند باتوں پر تبصرہ درج کیا جارہا ہے۔

محترم نے فرمایا:

"یہ راوی صرف عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے ہی روایت کرتا ہے، اور غالباً اس سے صرف دو ہی روایات مروی ہیں۔ البتہ بتصریح حافظ ابن حجر، محمد بن سرین بھی ان سے روایت کرنے والوں میں شامل ہیں"

"آئمہ کی تصریحات کے مطابق اس سے صرف دو (یا تین) راوی ہی روایت کرتے ہیں، اس کا بیٹا محمد اور دوسرا علی بن زید بن جعدان"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۱۲]

پھر محترم نے ان تمام محدثین کے حوالے سے یہ بات ذکر کی ہے:

۱۔ علّامہ ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ

۲۔ امام عبد الغنی المقدسی رحمہ اللہ

۳۔ امام مزی رحمہ اللہ

۴۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ

۵۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

ایک اہم محدث محترم سے رہ گئے، جن کا نام امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ ہے۔ دوسری محدث حافظ یحیی بن مندہ رحمہ اللہ ہیں۔ ہم ان دونوں کے اقوال درج کر دیتے ہیں جن میں دو مزید رواۃ کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل البخاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

سَمِعَ منه ابنه زنجي

ترجمہ: ان کے بیٹے زنجی نے ان سے سنا ہے۔

[التاریخ الکبیر جلد ۳، صفحہ نمبر ۱۴۴، رقم نمبر: ۴۸۷]

اس کے علاوہ امام یحیی بن مندہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

روى عنه: عبد الله بن عون

ترجمہ: عبد اللہ بن عون نے ان سے روایت لی ہیں۔

[فتح الباب في الكنى والألقاب، صفحہ نمبر ۲۵۱، رقم:۲۱۳۶]

ایک دوسری جگہ محترم نے علّامہ ابنِ حبّان کا یہ قول نقل کیا ہے:

الشيخ إذا لم يرو عنه ثقة فهو مجهول لا يجوز السندلال ان رواية الضعيف لا تخرج من ليس بعدل عن حد المجهولين الي جملة اهل العدالة ،لان ما روى الضعيف وما لم يرو في الحكم سيان

ترجمہ: وہ شیخ جس سے کوئی ثقہ روایت نہ کرے، وہ مجہول ہے، جس سے استدلال جائز نہیں، اس لیے کہ ضعیف راوی تو اس قابل نہیں کہ وہ کسی راوی کو حدِّ جہالت سے اہلِ عدالت میں لے آئے، کیونکہ ضعیف کا روایت کرنا اور نہ کرنا برابر ہے۔

پھر محترم نے استدلال کرتے ہوئے فرمایا:

"خالد سے بھی کوئی ثقہ راوی روایت نہیں کرتا، (الّا بتصریح ابن حجر محمد بن سرین)"

محترم کے مطابق ان سے کوئی ثقہ شخص روایت کرتا، یہ بات درست نہیں ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ آئمہ کی تصریحات کے مطابق پانچ رواۃ نے ان سے روایت کیا ہے:

۱۔ زنجی بن خالد بن الحویرث

۲۔ محمد بن خالد بن الحویرث

۳۔ علی بن زید بن جدعان

۴۔ محمد بن سرین (بصراحتِ امام ابن حجر)

۵۔ عبد اللہ بن عون

ان میں سے محمد بن سرین، عبد اللہ بن عون اور علی بن زید سب ثقہ یا کم از کم حسن الحدیث ہیں۔

۳۔ کیا خالد بن الحویرث نے یہ روایت علی بن زید سے سُنی ہے؟

ان تمام اعتراضات کے بعد محترم نے عرض کیا ہے:

"ہمارے نزدیک ابن عون خالد سے ڈائرکٹ روایت نہیں کرتے، یعنی وہ خالد کے شاگردوں میں سے نہیں، بلکہ وہ بواسطہ خالد سے روایت کرتا ہے، اور یہ واسطہ علی بن زید کا ہے"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۱۳]

محقق صاحب نے اس کی دلیل یہ دی ہے:

"حدیث 'الآیات الخزرات' محدثین کے یہاں علی بن زید کے طرق سے ہی مشہور ہے"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۱۴]

ان کی پوری تحریر کو کاپی کرنے کے بجائے ان کی دلیل اختصار سے عرض کر رہا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ کہ خالد کا ابن عون سے روایت کرنا محدثین کے یہاں 'معلوم' نہیں ہے، بلکہ علی بن زید سے روایت کرنا معلوم ہے۔ مزید بر اں علی بن زید بن جدعان چونکہ عبد اللہ بن عون کے اساتذہ میں شامل ہیں، لہذا ابن عون نے یہ روایت علی بن زید ہی سے سنی ہو گی۔

یہ پوری دلیل اس ابہام پر مشتمل ہے کہ کسی امام کے نزدیک ابن عون خالد کے شاگردوں میں شامل نہیں تھے۔ ہم یحیی بن مندہ رحمہ اللہ کا حوالہ پیش کر چکے ہیں۔ عبد اللہ بن عون بھی خالد کے تلامذہ میں سے تھے اور علی بن زید بھی خالد کے تلامذہ میں سے تھے۔ ان میں کوئی تضاد نہیں۔ یہ روایت دونوں طرق سے مروی ہے، چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے دونوں طرقوں کو علیحدہ علیحدہ ہی ذکر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

قال رَوح: حدَّثنا حَماد، قَالَ: حدَّثنا علي بْن زَيد، عَنْ خَالِد بْن الحارث، عَنْ عَبد اللهِ بْن عَمرو، فِي الآيات

وقال أشهل: حدَّثنا ابْن عَون، أمر مُحَمد؛ سل خَالِد بْن الحُويرث: ما قَالَ عَبد اللهِ بْن عَمرو فِي الملك

ترجمہ: روح بن عبادۃ نے کہا: ہم نے سنا حمّاد بن سلمہ سے، انہوں نے سنا علی بن زید سے، انہوں نے خالد بن الحویرث سے، انہوں نے عبد اللہ بن عمروؓ سے 'الآیات' کے بارے میں

اور اشھل کہتے ہیں، ہم نے سنا ابن عون سے، مجھے محمد بن سرین نے حکم دیا کہ میں پوچھوں خالد بن الحویرث سے اس بارے میں کہ عبد اللہ بن عمروؓ نے اُس بادشاہ کے بارے میں کیا کہا ہے؟

[التاریخ الکبیر جلد ۳، صفحہ نمبر ۱۴۴، رقم نمبر: ۴۸۷]

اسی کو حافظ یحیی بن مندہ رحمہ اللہ نے اپنی سند سے نقل کیا:

أخبرنا علي بن نصر، ثنا حسين بن محمد، ثنا أحمد بن سعيد الدارمي، ثنا نضر بن شميل، أنباء إبن عون، قال، قال لي محمد بن سيرين، سل خالدا أبا الحويرث

ترجمہ: علی بن نصر نے ہمیں خبر دی، سنا انہوں نے حسین بن محمد سے، انہوں نے احمد بن سعید الدارمی سے، انہوں نے نضر بن شمیل سے، ان کو خبر دی ابن عون نے، کہا: مجھ سے محمد بن سرین نے کہا کہ پوچھو خالد ابو الحویرث سے!

[فتح الباب في الكنى والألقاب، صفحہ نمبر ۲۵۱، رقم: ۲۱۳۶]

شیخ احمد شاکر کہتے ہیں:

وكلام البخاري يدل أن محمدا، وهو إبن سيرين، امر إبن عون أن يسال خالد بن الحويرث أن هذا الحديث

ترجمہ: امام بخاری کے کلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ محمد، یعنی ابنِ سرین، انہوں نے ابن عون کو حکم دیا کہ وہ خالد بن الحویرث سے اس حدیث کے بارے میں پوچھیں (یعنی عبد اللہ بن عمروؓ بادشاہ یزید کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟)

[المسند للإمام أحمد شاکر، جلد ۶، صفحہ نمبر ۴۶۹، رقم الحدیث: ۷۰۴۰، زیرِ حاشیہ]

گویا محمد بن سرین نے خالد بن الحویرث سے روایت کرنے کا حکم ابن عون کو دیا تھا اور آپ نے اس حدیث کو روایت بھی کیا ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ محمد بن سرین کے حکم پر جب ابن عون نے یہ روایت خالد سے سنی ہو گی اور بیان کی ہو گی، تو انہوں نے ظاہر سی بات ہے کہ بلاواسطہ ہی روایت کی ہے۔ کسی دلیلِ صریح کے بغیر اب یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ روایت علی بن زید ہی سے مروی ہے کیونکہ علی بن زید کی روایت الگ ہے، اور یہ روایت الگ ہے۔

موصوف نے فرمایا ہے:

"امام عبد الغنی المقدسی نے (الکمال: ۷/۳۷۷) میں، امام مزی نے (تہذیب الکمال، ۱۵، ۳۹۵، ۳۹۶) میں ابن عون کے شیوخ میں خالد کے 'بجائے' علی بن ذید کا ہی ذکر کیا ہے"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۱۵]

گویا موصوف کے مطابق جس جگہ خالد کا نام ہونا چاہیئے، وہیں علی بن زید بن جدعان کا نام ان آئمہ نے درج کیا ہے، اور جان بوجھ کر خالد کے نام کو ذکر ہی نہیں کیا۔ حالانکہ ان علماء نے تو صرف 'روی عنہ" کے صیغے کے ساتھ علی بن زید کا تذکرہ کر دیا، خالد سے روایت کی نفی تو کہیں بھی نہیں کی ہے۔ روایت کرنے والوں کے اسماء درج کرتے وقت انہیں سنن ابی داؤد کی یہ روایت ذہن میں ہو گی:

اخبرنا ابن عون، قال: كنت اسال عن الانتصار ولمن انتصر بعد ظلمه فاولئك ما عليهم من سبيل سورة الشورى آية 41 ,
فحدثني علي بن زيد بن جدعان

[سنن ابی داؤد، کتاب الدب، باب نمبر:۴۹، رقم الحدیث:۴۸۹۸]

اور مزید روایات بھی ابن عون نے علی بن زید سے لی ہیں، مگر موصوف کا خیال ہے کہ:

"چونکہ یہ روایت علی بن زید کے طرق سے ہی شہرت رکھتی ہے، ان آئمہ نے 'اسی بناء' پر ابن عون اور علی بن زید کو ایک دوسرے کا شاگرد بنایا ہے"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۱۶]

یعنی ان آئمہ کی نظر میں یہی روایت تھی جس کے سبب وہ علی بن زید و ابن عون کو ایک دوسرے کا استاد و شاگرد سمجھتے ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے۔ علی بن زید کی ابن عون سے دوسری روایات بھی ہیں۔ اسی روایت کو ان آئمہ کے فعل کا سبب قرار دینا درست نہیں ہے۔

ہمیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ ابن عون نے علی بن زید سے روایات لی ہیں، مگر ہم تو یہ بھی کہتے ہیں کہ انہوں نے علی بن زید سے بھی روایات لیں ہیں اور خالد سے بھی یہ روایت لی ہے، اس میں کوئی حیرت کی بات ہے ہی نہیں!

الغرض، یہ دعویٰ کہ ابن عون نے خالد سے نہیں سنا اور یہ دعویٰ کہ علی بن زید سے ابن عون نے سن کر یہ روایت بیان کی ہے، اس دعوے پر بغیر کسی مضبوط دلیل کے علی بن زید کو راوی قرار دے دینا غلط ہے۔

۴۔ کیا ابن عون نے اس روایت کو محمد بن سرین کے ذریعے سے نقل کیا ہے؟

امام ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

وذكر البخاري في التاريخ رواية ابن عون عن محمد بن سيرين عنه

ترجمہ: اور بخاری نے تاریخ میں ابن عون کی روایت محمد بن سرین سے، ان سے (یعنی خالد) سے نقل کی ہے۔

[تھذیب التھذیب، جلد ۳، صفحہ نمبر ۷۳]

جس کی بنیاد پر یہ حضرت فرماتے ہیں:

" اب یہاں دیکھیں! تاریخ الکبیر والی روایت کے مطابق ابن عون اور خالد کے درمیان محمد بن سیرین کا واسطہ ہے "

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۱۷]

گویا آپ کے نزدیک امام المحدثین امام البخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں روایت کو محمد بن سرین کے حوالے سے خالد بن الحویرث سے نقل کیا ہے۔ گویا امام محمد بن سرین رحمہ اللہ نے اس روایت کو خالد بن الحویرث سے روایت کیا ہے۔ لیکن آپ خود ہی امام بخاری رحمہ اللہ کی مخالفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہمارے نزدیک ابن عون خالد سے ڈائرکٹ روایت نہیں کرتے، یعنی وہ خالد کے شاگردوں میں سے نہیں، بلکہ وہ بواسطہ خالد سے روایت کرتا ہے، اور یہ واسطہ علی بن زید کا ہے"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۱۳]

خیر، آپ کی اطلاع کے لیے ایک مزید مشکل بات عرض ہے اور وہ یہ کہ اگر محمد بن سرین نے اس شخص سے روایت کیا ہے، تو یہ ثقہ ہے، کیونکہ محمد بن سیرین صرف ثقات سے ہی روایت کرتے ہیں۔ علّامہ حافظ ابن عبد البرّ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أجمع أهل العلم بالحديث أن ابن سيرين أصح التابعين مراسل وأنه كان لا يروي ولا يأخذ إلا عن ثقة وأن مراسله صحاح كلها

ترجمہ: وہ لوگ جو حدیث کے بارے میں علم رکھنے والے ہیں، وہ اس بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ ابن سرین کی مراسیل تابعین میں صحیح ترین ہیں، اور وہ نہیں روایت کرتے تھے اور نہ ہی اخذ کرتے تھے سوائے کسی ثقہ سے، اور ان کی تمام مراسیل صحیح ہیں۔

[التمھید، جلد ۸، صفحہ نمبر ۳۰۱]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

صحح ابن عبد البر مراسيل محمد بن سيرين قال: لأنه كان يتشدد في الأخذ ولا يسمع الا من ثقة

[النکت علی کتاب ابن الصلاح، جلد ۲، صفحہ نمبر ۵۵۷]

اسی بات کے مزید حوالہ جات بھی دیئے جاسکتے ہیں۔ اس صورت میں تو موصوف کا استدلال خود بخود کمزور ہو جاتا ہے۔

خیر، امام بخاری رحمہ اللہ کے قول کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ محمد بن سرین خالد اور ابن عون کے درمیان واسطہ ہیں، بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام محمد بن سرین رحمہ اللہ نے ابن عون کو حکم دیا کہ آپ اس روایت کو خالد سے اخذ کریں اور ان سے پوچھیں کہ حضرتِ عبد اللہ بن عمروؓ نے بادشاہ کے بارے میں کیا بات بیان کی تھی جس کا حوالہ ہم قبل بھی دے چکے ہیں۔ یہ موصوف سے غلطی ہوئی ہے۔

۵۔ خالد بن الحویرث کی توثیق:

ہمارے نزدیک خالد بن الحویرث ہرگز کمزور اور ضعیف راوی نہیں ہیں، نہ ہی مجہول ہیں۔ اُن کی ثقاہت اور صداقت محدثین سے ثابت ہے۔ ان کی توثیق درجِ ذیل ہیں:

۱۔ امام ابنِ حبّان رحمہ اللہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ [کتاب الثقات لابن حبّان، جلد ۴، صفحہ نمبر ۱۹۸]

۲۔ علّامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

خالد بن الحويرث وهو ثقة

ترجمہ: خالد بن الحویرث، اور وہ ثقہ تھے۔

[مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، جلد ۲، صفحہ نمبر ۱۴۲]

۳۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

خالد بن الحويرث، قال إبن معين: لا أعرفه، صدوق، وذكره إبن حبان في ثقات

ترجمہ: خالد بن الحویرث، ابن معین نے ان کے بارے میں کہا: میں ان کو نہیں جانتا، یہ سچّے تھے، اور ابنِ حبّان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا۔

[المغني في الضعفاء، جلد ۱، صفحہ نمبر ۲۹۵، رقم: ۱۸۴۰]

اور فرمایا:

خالد بن الحويرث المكي، أن عبد الله بن عمرو، وعنه ابنه محمد، وإبن جدعان، وثق

[الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة، جلد ۱، صفحہ نمبر ۳۶۲، رقم:۱۳۰۹]

موصوف صاحب کا اعتراض ہے کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی ایک روایت کو منکر بتایا اور اس طرح ضعیف قرار بھی دیا ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہے، ان شاء اللہ آگے اس کا تذکرہ کریں گے۔

۴۔ امام بوصیری رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند کو 'جیّد' قرار دیا ہے۔ الغرض، ان کے نزدیک اس سند کے تمام رواۃ ثقہ یا کم از کم حسن الحدیث تھے۔ ان کے نزدیک بھی خالد بن الحویرث ثقہ یا کم از کم حسن الحدیث تھے۔ یہی بات یوسف بن الصالحی الدمشقی رحمہ اللہ کے بارے میں کہی جائے گی۔

۵۔ شیخ احمد شاکر، جو معاصرین میں سے ہیں، انہوں نے خالد بن الحویرث کے بارے میں فرمایا ہے:

تابعي ثقة

[المسند للإمام أحمد ت شاکر، جلد ۶، صفحہ نمبر ۴۶۹، رقم الحدیث:۷۰۴۰، زیرِ حاشیہ]

۶۔ خالد بن الحویرث کا مجہول ہونا:

خالد بن الحویرث کے متعلق بعض آئمہ کے اقوال ہیں کہ وہ اس راوی کو نہیں جانتے۔ چنانچہ، امام عثمان بن سعید الدارمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سألت يحيى بن معين عنه فقال: لا أعرفه

ترجمہ: میں نے یحیی بن معین سے ان (خالد بن الحویرث) کے متعلق پوچھا، انہوں نے فرمایا: میں اِسے نہیں جانتا۔

[تاریخ الدارمي، رقم:۳۹۶]

امام ابن عدی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا کہ میں بھی اس کو نہیں جانتا۔[الکامل فی الضعفاء الرجال، جلد ۷، صفحہ نمبر ۴۰]

یاد رہے کہ یہ قول صرف اپنے علم کا اظہار ہے، کسی قسم کی تضعیف ہر گز نہیں ہے۔ خالد بن الحویرث کے مجہول نہ ہونے پر اوپر حوالہ جات دیئے جا چکے ہیں۔

امام یحیی بن معین ہی سے ایک اور راوی حاتم بن حریث کے حوالے سے مروی ہے، اور عثمان بن سعید الدارمی رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں:

سألت يحيى بن معين عنه فقال: لا أعرفه

ترجمہ: میں نے یحیی بن معین سے ان کے متعلق پوچھا، انہوں نے فرمایا: میں اِسے نہیں جانتا۔

[تاریخ الدارمي، رقم:۲۸۷]

مگر خود امام الدارمی رحمہ اللہ نے یحیی بن معین رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح نہ دیتے ہوئے اسی کتاب میں اس کو ثقہ شامی قرار دیا۔

اس کے علاوہ ایک اور راوی الجراح بن مہیل کے متعلق بھی ابن معین نے بروایت عثمان بن سعید الدارمی یہی کلمات کہے۔[الکامل في ضعفاء الرجال، جلد۲، صفحہ نمبر۴۰۸] مگر ان کی ثقاہت کئی ذرائع سے ثابت ہے جن میں امام نسائی، امام ابو حاتم ارازی وغیر ہم کی توثیق شامل ہے۔

۷۔ خالد بن الحویرث کی روایت میں نکارت:

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا:

حدثنا يحيى بن خلف، حدثنا روح بن عبادة، حدثنا محمد بن خالد، قال: سمعت ابي خالد بن الحويرث، يقول: إن عبد الله بن عمرو كان بالصفاح، قال محمد: مكان بمكة،" وإن رجلا جاء بارنب قد صادها، فقال: يا عبد الله بن عمرو، ما تقول؟ قال: قد "جيء بها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وانا جالس، فلم ياكلها ولم ينه عن اكلها، وزعم انها تحيض

ترجمہ: محمد بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد خالد بن حویرث کو کہتے سنا کہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما صفاح میں تھے (محمد کہتے ہیں: وہ مکہ میں ایک جگہ کا نام ہے) ایک شخص ان کے پاس خرگوش شکار کر کے لایا، اور کہنے لگا: عبد اللہ بن عمرو! آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا اور میں بیٹھا ہوا تھا آپ نے نہ تو اسے کھایا اور نہ ہی اس کے کھانے سے منع فرمایا، اور ان کا یہ خیال تھا کہ اسے حیض آتا ہے۔

[سنن ابی داوٗد، كِتَاب الْأَطْعِمَةِ، باب فِي أَكْلِ الْأَرْنَبِ، رقم:۳۷۹۲]

اس روایت کے متعلق موصوف فرماتے ہیں:

"خالد سے صرف دو ہی روایات مروی ہیں، ایک زیرِ تبصرہ روایت، اور ایک حدیث الارنب، حدیث الارنب کو آئمہ نے منکر قرار دیا ہے"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۲۰]

اِس روایت کو متقدمین میں سے کسی بھی امام نے 'منکر' قرار نہیں دیا ہے۔ ہاں، شیخ زبیر علی زئی اور شیخ البانی کے مطابق یہ روایت ضعیف ہے۔ مگر موصوف کا خیال ہے کہ اس روایت کو امام الذہبی نے منکر بتایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"نیز اسے میزان الاعتدال میں درج کر کے اس کی خرگوش والی روایت کو منکر باور کراتے ہوئے اسے (خالد کو) ضعیف قرار دیا ہے"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۲۳]

عجیب بات ہے کہ میزان الاعتدال کے جس نسخہ کو ہم نے دیکھا، اس پر ہمیں ایسا کچھ بھی نہیں ملا۔ انہوں نے تو صرف یہ فرمایا ہے:

قلت: تفرد بحديث: إن الأرانيب تحيض

ترجمہ: میں کہتا ہوں: یہ اس حدیث میں منفرد ہیں (جس کے مطابق): بیشک خرگوش کو حیض آتا ہے۔

[میزان الاعتدال، جلد ۲، صفحہ نمبر ۴۰۹، رقم: ۲۴۱۹]

غور کیجیے! کہاں اس روایت کو منکر بتایا اور کہاں یہ کہا کہ خالد بن الحویرث ضعیف ہیں؟ یہ بھی محترم کا قیاس ہی ہے کہ انہوں نے ازخود یہ سمجھ لیا کہ اس سے ان کی مراد ضرور خالد کو ضعیف قرار دینا اور روایت کو منکر بتانا ہو گا۔

پھر یہ کہ منکر روایت وہ ہوتی ہے جو ثقات کی مخالفت کرتی ہو۔ غالباً آپ کی مراد یہ ہے کہ خرگوش کا حلال ہونا صحیح احادیث سے ثابت ہے، اس روایت سے اس کی حرمت یا کراہت ثابت ہوتی ہے۔ تو عرض ہے کہ اس سے نہ ہی حرمت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی کراہت ثابت ہوتی ہے۔ صاحبِ بذل المجہود اپنے شیخ یحیی مرحوم کے حوالے سے فرماتے ہیں:

ليس بالمراد بذكره التحريم أو على الكراهة

[بذل المجهود في حل أبي داود، جلد١٦، صفحہ نمبر١١٦]

اِس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کو کھانے سے کسی کو نہیں روکا، مگر عبد اللہ بن عمروؓ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو خود اسے نوش فرماتے ہوئے نہیں دیکھا۔ پھر نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خرگوش کی ایک صفت بتائی کہ اس میں حیض کی کیفیت بھی پائی جاتی ہے۔

سب سے پہلے تو کسی محدث نے اس کو منکر نہیں بتایا، دوسری بات یہ کہ اس میں محمد بن خالد ایسے راوی ہیں جن کو میرے علم کے مطابق صرف ابنِ حبّان نے ثقہ قرار دیا ہے۔ لہذا، اگر یہ روایت منکر ہے، سارا الزام خالد بن الحویرث پر نہیں لگایا جاسکتا۔ بلکہ خالد تک سند پہنچتے پہنچتے، ان سے پہلے ان کے بیٹے محمد بھی سند میں ہیں، جو کہ آپ کے نزدیک بھی مجہول ہی ہیں۔ لہذا خالد تک یہ روایت صحیح طور پر پہنچتی ہی نہیں، لہذا اس سے خالد کے کسی ضعف پر حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔

پھر خرگوش کے حلال ہونے پر امام ابو داوٗد نے اسی روایت سے پہلے ایک روایت صحیح سند کے ساتھ درج کی تھی۔ اس پر ان صاحب نے تبصرہ فرمایا:

"امام صاحب کا خالد کی روایت کو لانے سے قبل اس روایت کو لانے کا مقصد خالد کی روایت میں موجود نکارت کو ظاہر کرنا ہے"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۲۱]

جناب! امام ابو داؤد نے تو ایسا کچھ نہ کہا، نہ مراد لیا۔ ایسی کوئی بات بیان بھی نہیں کی۔ یہ تو آپ کا خود ساختہ قیاس و گمان ہے۔

۸۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے سکوت پر چند نکات:

۱۔ امام بخاری (المتوفیٰ:۲۵۶ھ) کی کتاب سے نقل کیا گیا کہ آپ نے فرمایا:

كل من لم أبين فيه جرحه فهو على الاحتمال، وإذا قلت: فيه نظر، فلا يحتمل.

ترجمہ: ہر اس شخص کے لیے جس کے لیے میں کوئی کلمہ جرح استعمال نہ کروں تو اس کی روایت کے قبول کیے جانے کا احتمال ہے، البتہ اگر میں کہوں: "اس میں نظر ہے" تو کوئی گنجائش نہیں۔

[تھذیب الکمال فی اسماء الرجال، جلد ۱۸، صفحہ نمبر ۲۶۵، تحت الرقم: ۳۵۰۶، تذھیب تھذیب الکمال في أسماء الرجال، جلد ۶، صفحہ نمبر ۱۳۴-۱۳۵، البیان والتوضیح العراقی، صفحہ نمبر ۱۴۴]

الغرض، امام بخاری رحمہ اللہ جب راوی پر سکوت فرماتے ہیں، تو وہ ایسا راوی ہوتا ہے جس سے روایت کو قبول کیے جانے کا احتمال ہے۔ اگر راوی میں ضعف ہو، تو امام بخاری رحمہ اللہ "فیہ نظر" کہہ دیتے ہیں جس سے راوی کی عدالت مقدوح ہو جاتی ہے۔

اب خالد بن الحویرث کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے ایسا کچھ بھی نہیں فرمایا اور نہ ہی ان کو اپنے ضعفاء کے مجموعے میں ذکر کیا۔ جس روایت کو موصوف منکر بتا رہے ہیں، اس روایت کے بارے میں امام بخاری کو بھی علم تھا، چنانچہ، وہ خود فرماتے ہیں:

خَالِد بْن الحُويرث، القُرَشِيّ، سَمِعَ عَبد اللهِ بْن عَمرو، لم يأمر بأكل الأرنب، ولم ينه

[التاریخ الکبیر جلد۳، صفحہ نمبر۱۴۴، رقم نمبر:۴۸۷]

غور کیجیے! امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی حدیث الارنب کی طرف اشارہ کیا ہے جس کو آپ منکر بتا رہے ہیں۔ انہوں نے تو ہی اس کو منکر بتایا ہے، نہ ہی اس روایت کے سبب خالد بن الحویرث کو منکر الحدیث بتایا ہے۔ حالانکہ، امام بخاری رحمہ اللہ زبردست امام العلل تھے جو ذرا ذرا سی چیزیں بھی پکڑ لیا کرتے تھے۔

۹۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا 'مقبول' کہنا:

حضرتِ موصوف کے مطابق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے خالد بن الحویرث کو:

"مقبول قرار دیا، یعنی متابعت کے قابل ہے، احتجاج کے نہیں، اور اس کی متابعت موجود نہیں"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۲۴]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ "تقریب" میں اس اصطلاح کے متعلق فرماتے ہیں:

السادسة: من ليس له من الحديث إلا القليل، ولم يثبت فيه ما يترك حديثه من أجله، وإليه الإشارة بلفظ (مقبول) حيث يتابع، وإلا فلين الحديث

ترجمہ: راویوں کا چھٹا طبقہ: ایک ایسا راوی جس سے احادیث صرف چند ایک ہی مروی ہوں، اور اس کی کسی حدیث میں ردّ کر دیئے جانے کا پہلو موجود نہ ہو (یعنی کسی بھی روایت میں نکارت نہ ہو)، تو اس کو 'مقبول' کہا جائے گا اگر اس کے متابع موجود ہوں، ورنہ وہ لین الحدیث ہے۔

[تقریب التھذیب ت عوامة، صفحہ نمبر ۲۷]

جس کی تشریح میں اس کے محقق شیخ عوّامہ نے فرمایا ہے کہ وہ راوی ابنِ حجر کے مطابق 'لین الحدیث' ہے جس میں یہ صفات پائی جاتی ہوں:

۱۔ وہ قلیل الحدیث ہے۔

۲۔ اس کی حدیث کے ترک کیے جانے پر کوئی شہادت موجود نہ ہو۔

۳۔ اس کی تھوڑی بہت احادیث کی متابعت نہ ملتی ہو۔

اور 'مقبول' وہ راوی ہے:

۱۔ جو قلیل الحدیث ہے۔

۲۔ اس کی حدیث کے ترک کیے جانے کی کوئی دلیل وشہادت نہیں۔

۳۔ مگر اس کی احادیث کی متابعت ملتی ہوں۔

صاف سی بات ہے کہ مقبول راوی لین الحدیث راوی سے بہتر ہو گا۔ مگر کیا اس کی روایات حسن یا صحیح درجے کو پہنچتی ہیں یا وہ بھی ضعیف ہی ہوں گی، اس کے متعلق مختلف اقوام ہیں۔ بعض معاصرین کے مطابق وہ روایات حسن ہیں کیونکہ ایسے راویوں کی روایات کو ابنِ حجر فتح الباری وغیرہ میں حسن قرار دے دیتے ہیں۔ علّامہ سیوطی کے مطابق ایسا راوی جس کو 'مقبول' کہا گیا ہے، وہ جیّد، صالح یا لائق اعتبار ہی ہے۔ [التدریب، جزو۱، صفحہ نمبر۱۷۷] بعض کی رائے میں یہ روایت ضعیف ہی رہتی ہے۔ اس اختلاف کے سبب قطعی طور پر ابنِ حجر رحمہ اللہ کے اس قول سے تضعیف پر دلالت نہیں کی جاسکتی۔

مقبول راوی کے متعلق موصوف کا یہ فرمانا کہ اس راوی کی جس روایت کی متابعت ہو گی، وہ قبول ہو گی، جس کی متابعت نہیں ہو گی، وہ قبول نہیں کی جائے گی۔ یہ بات ثابت نہیں کی گئی۔ اس لیے امام ابنِ حجر رحمہ اللہ سے خالد بن الحویرث کی تضعیف یا اس کو مجہول کہنا ثابت نہیں ہے۔

۱۰۔ روایتِ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصحیح:

امام ابو عبد اللہ الحاکم نیشاپوری (المتوفیٰ:۴۰۵ھ) روایت کرتے ہیں:

أَخْبَرَنَا أَبُو عَمْرٍو عُثْمَانُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ السَّمَّاكِ الزَّاهِدُ بِبَغْدَادَ ، حدثنا حَنْبَلُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ حَنْبَلٍ ، حدثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ ، حدثنا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ ، عَنْ حُمَيْدٍ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : الْأَمَارَاتُ خَرَزَاتٌ مَنْظُومَاتٌ بِسِلْكٍ ، فَإِذَا انْقَطَعَ السِّلْكُ تَبِعَ بَعْضُهُ بَعْضًا

[المستدرک علی الصحیحین، جلد ۴، صفحہ نمبر ۵۴۶، رقم:۸۶۸۸]

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ نے امام مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا اور امام الذہبی نے ان سے اتفاق بھی کیا۔ مزید بر اس شیخ البانی کے نزدیک بھی یہ سند بالکل صحیح ہے اور خالد بن الحویرث والے طرق کی متابع ہے۔[سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ، رقم:۱۷۶۲]

اس کی سند پر موصوف اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہ طریق معلول ہے، بلکہ فی الحقیقہ یہ ابن عمرو کا ہی طریق ہے، راوی کی غلطی سے طریق انس ہو گیا، در اصل حماد بن سلمہ سے اس روایت کو تین روات یعنی مؤمل بن اسماعیل، یزید بن ہارون، اور روح بن عبادۃ بواسطہ علی بن زید عن خالد بن الحویرث عن عبد اللہ بن عمرو کے ساتھ روایت کرتے ہیں، جبکہ اکیلے موسیٰ بن اسماعیل، اسے بواسطہ حماد عن حمید عن انس روایت کرتے ہیں"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۲۷]

محترم، انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت الگ ہے، حضرتِ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت الگ ہے، دونوں کے متون بھی الگ ہیں۔ آپ دو مختلف روایات کا تقابل کر کے مخالفت اخذ کر رہے ہیں؟ پھر یہ کہ یہ زیادت کا مسئلہ بھی نہیں کہ موسیٰ بن اسماعیل نے دو رواۃ کی زیادت کر دی ہے، بلکہ انہوں نے بالکل ہی ایک علیحدہ سند اور روایت بیان کی ہے۔ اس روایت میں 'الامارات' کا تذکرہ ہے، دوسری روایت میں لفظ 'الآیات' ہے۔ کیا یہ ناممکن ہے کہ حماد بن سلمہ اس روایت کو علی بن زید اور حمید کے طرق، دونوں سے روایت کریں؟ موسیٰ بن اسماعیل جیسے ثقہ ثبت امام جن پر ایک جرح بھی نہیں ہوئی، ان کی طرف اتنی بڑی نسبت کے انہوں نے سند کے تین راویوں کو بدل کر

دو نئے راوی والی سند بنادی، ایسی بڑی غلطی جو آپ ان کی طرف منسوب کر رہے ہیں، اس پر تو جناب موسیٰ بن اسماعیل کی ثقاہت بھی مشکوک ہو جاتی ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ کیا یہ حدیث ہماری والی حدیث کی شاہد ہے؟ تو بالکل، یہ حدیث کے متن پر تو شاہد ہے۔ تفصیلی واقعے پر اگرچہ یہ شاہد نہیں، مگر رسول اللہ ﷺ سے منقول الفاظ پر شاہد ضرور ہے۔

دوسری روایت کے بارے میں ہم ابو المحبوب شاہ صاحب کی بات سے متفق ہیں، وہ ابو العالیہ ہی کا قول ہے جو ثابت شدہ ہے۔ اس کا مرفوع ہونا معلوم نہیں ہے۔ [المصنف لابن ابی شیبہ، رقم: ۳۷۶۱۰]

۱۱۔ متن پر بحث:

ہمارے محترم محقق صاحب نے ہم پر تنقید کرتے ہوئے عرض کیا ہے:

"مضمون نگار نے مکتبہ شاملہ سے نقل کر کے اس کے متن پر غور نہیں کیا، اس کے متن میں کتنی اعرابی اغلاط موجود ہیں"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۳۰]

آپ کی بات بالکل درست ہے، متن میں اعرابی اغلاط تھیں جس کے سبب غلط ترجمہ بھی ہو گیا۔ مگر یہ روایت کی خطا نہیں، یہ اعراب لگانے والوں کی خطا ہے۔ اس سے متن میں نکارت ثابت نہیں ہوتی۔

پھر بطورِ تشریح میں نے بریکٹ میں اضافہ کیا تھا، وہ بریکٹ یہ تھا:

(جس ٹوٹنے کی ابتدا یزید بن معاویہ کی حکومت کے آخر میں ہوئی تھی جب اہلِ شام مکّہ میں آکر لڑے تھے)

مگر اس تحریر کے فوراً بعد میں نے اس بریکٹ کو حذف کر دیا تھا، آج بھی میری پوسٹ پر یہ نہیں ملے گا کیونکہ مجھے خود اندازہ ہو گیا کہ میرے بریکٹ میں ابہام ہے، میرا مقصد کچھ اور تھا، سمجھ کچھ اور آرہا تھا۔

میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ یزید بن معاویہ کے دور میں کعبہ ٹوٹنا شروع ہوا پھر ٹوٹتا ہی رہا، یہاں تک کہ حجاج کا دور آیا۔ بلکہ میرا مقصد یہ تھا کہ اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فتنے بیج کی طرح ہیں جن کو دھاگے باندھ دیا جائے، جیسے ہی دھاگا ٹوٹتا ہے تو بیج سارے بکھر کر پھیلنے لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح فتنوں کا بھی یہی حال ہے۔ جیسے ہی امن کا دھاگا ٹوٹتا ہے، فتنے سارے ایک دم سے آنا شروع ہو جاتے ہیں اور پھیل جاتے ہیں۔ چنانچہ، یزید کے دور میں ایک دفعہ کعبہ ٹوٹا جس کے بعد اس کو دوبارہ بنایا گیا۔ مگر چونکہ فتنے پھیلتے ہی رہتے ہیں، آسانی سے ٹل نہیں جاتے، لہذا یہی چیز حجاج کی حکومت میں دوبارہ ہوئی اور اسی کی طرف ہمارا اشارہ تھا۔ اس لیے آپ نے جو ہم پر تنقید کی، وہ صحیح نہیں ہے۔ آپ کو جس نے بھی میری یہ تحریر بھیجی، شاید بہت جلد بازی کرتے ہوئے میری پوسٹ کے ایک دو گھنٹے بعد ہی بھیج دی تھی اس لیے میں نے پوسٹ میں جو اصلاح کی تھی، وہ آپ کے علم میں نہ آئی۔

لیکن موصوف کی یہ بات ہماری سمجھ نہ آئی کہ انہوں نے فرمایا:

"یہ روایت واضح بتا رہی ہے کہ 'کعبۃ اللہ الحرام' کا ٹوٹنا عہدِ حجاج سے ہوا، جب یہ فاطمہ نامی عورت خود ہی کہہ رہی ہے کہ ایسا حجاج دور میں 'ہی' ہوا، گویا وہ اس ٹوٹنے کی ابتداء کے متعلق بھی بتا رہی ہے"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۳۱]

کیا محترم یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ یزید کے دور میں کبھی کعبۃ اللہ ٹوٹا ہی نہیں، یہ سب حجاج کے دور ہی میں ہوا، اس سے پہلے ایسا کچھ ہوا ہی نہیں؟ یہ بات تو سراسر غلط ہے، بلکہ صحیح مسلم کی رو سے غلط ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفیٰ: ۲۶۱ھ) فرماتے ہیں:

حدثنا هناد بن السري ، حدثنا ابن ابي زائدة ، اخبرني ابن ابي سليمان ، عن عطاء ، قال: لما احترق البيت زمن يزيد بن معاوية حين غزاها اهل الشام، فكان من امره ما كان تركه ابن الزبير حتى قدم الناس الموسم يريد ان يجرئهم او يحربهم على اهل الشام، فلما صدر الناس، قال: يا ايها الناس، اشيروا علي في الكعبة انقضها، ثم ابني بناءها، او اصلح ما وهى منها

ترجمہ: عطاء بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کعبہ جل گیا یزید بن معاویہ کے زمانہ میں جب کہ مکہ میں آکر شام والے لڑے تھے اور جو حال اس کو ہوا سو ہوا اور سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ شریف کو ویسا ہی رہنے دیا، یہاں تک کہ لوگ موسم حج میں جمع ہوئے اور سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا ارادہ تھا کہ لوگوں کو خانہ کعبہ دکھا کر جرأت دلائیں اہل شام کی لڑائی پر یا ان کا تجربہ کریں کہ انہیں کچھ حمیت دین ہے یا نہیں پھر جب لوگ آ گئے تو انہوں نے کہا: اے لوگو! مشورہ دو مجھے خانہ کعبہ کے لیے کہ میں اسے توڑ کر نئے سرے سے بناؤں یا جو اس میں بودا ہو گیا ہے اسے درست کر دوں۔

[صحیح مسلم، کتاب الحج، باب نمبر:۶۹، رقم:۳۲۴۵، ترقیم فواد عبد الباقی:۱۳۳۳]

گویا کعبہ دو دفعہ ٹوٹا، ایک دفعہ یزید بن معاویہ کے دور میں اور دوسری دفعہ حجاج بن یوسف کے دور میں! جو فتنہ یزید بن معاویہ کے دور سے شروع ہوا، وہ فتنہ رک نہیں گیا، بلکہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کے بعد حجاج ظالم نے اس کو دوبارہ توڑ دیا۔

پھر موصوف فرماتے ہیں:

"اہلِ انصاف سے التماس ہے کہ موصوف کے اس اضافے کو حذف کر کے پھر روایت پڑھیں کہ روایت کا یہ پیشین گوئی واقع ہونے والا حصّہ روایت کے ماقبل والے پیشین گوئی والے حصّے سے بالکل میل اور مطابقت رکھتا ہے، ابن عمرو کی پیشین گوئی کے مطابق تو کعبۃ اللہ کو تباہ کرنے والے یزید ہوں گے، مگر جب پیشین گوئی کے پورے ہونے کا وقت آیا تو تو عہدِ یزید کے بجائے عہدِ ابنِ زبیرؓ اور حجاج کو اس کا مصداق بنا دیا گیا۔"

محترم، میں تیسری دفعہ اپنی پوری وضاحت عرض کر دیتا ہوں تا کہ اس روایت کا مفہوم سمجھا جا سکے:

۱۔ اس روایت میں سب پہلے رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے جس میں فتنوں کی تاثیر کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ جب امن کا دھاگا ٹوٹتا ہے، تو فتنوں کے بیج بکھر جاتے ہیں۔

۲۔ پھر سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مصداق یزید ہے۔

۳۔ پھر فرماتے ہیں کہ مجھے اتنی خبر ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے شجرے میں سے ایک شخص عوام کا قتلِ عام کرے گا، ان کے اموال لوٹے گا اور کعبہ کے پتھر پتھر کو علیحدہ کریگا، یعنی توڑ دیگا۔

۴۔ پھر ابن زبیرؓ اور حجاج کا تذکرہ کیا گیا ہے، عرض کر چکا ہوں کہ ابن زبیرؓ اور حجاج کا معاملہ تو اس فتنے کی ہی ایک شکل تھی جو یزید سے شروع ہوا۔ کیا یزید کے دور میں کعبہ نہیں ٹوٹا؟ کیا وہ فتنہ نہیں تھا؟ پھر حجاج کے دور میں دوبارہ ٹوٹا، بیشک یہ بھی فتنہ تھا۔ الغرض، اس سے حدیث کا مفہوم ثابت ہوتا ہے۔ اس روایت کا مصداق یزید ہے، جس سے ان فتنوں کا آغاز ہوا اور جو جاری ہو کر حجاج تک آ پہنچا۔

آپ کو روایت کا مفہوم سمجھ نہیں آیا، اس سے روایت ناقص نہیں ہو جاتی۔ بعض لوگوں کو تو صحیحین کی روایات کا مفہوم سمجھ نہیں آتا، وہ لوگ ان روایات کا ردّ کر دیتے ہیں۔ کیا وہ صحیح کرتے ہیں؟ نہیں! بلکہ ہر روایت کی تشریح و توضیح سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے جو کہ ہم نے بیان کر دی ہے۔

پھر موصوف فرماتے ہیں:

"نبی کے علاوہ کوئی امّتی پیشین گوئی کیسے کر سکتا ہے، یہ پیشین گوئی بھی ایک ایسا صحابی کر رہا ہے، یہ پیشین گوئی بھی ایک ایسا شخص کر رہا ہے جن کا والد عمرو بن العاص ایک عرصے تک مملکتی معاملات میں حضرتِ معاویہؓ کے ساتھ رہا"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۳۱]

عرض ہے کہ جب کوئی صحابی پیشین گوئی یا کسی آیت کی تفسیر یا ایسی کوئی بات بیان کرتا ہے، تو اس کی بنیاد بھی قرآن و حدیث ہی ہوتا ہے۔ وہ خود سے کوئی بات نہیں گھڑ لیتا ہے۔ اب میں حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول صحیح البخاری سے پیش کرتا ہوں:

حدثنا محمد بن كثير، اخبرنا سفيان، حدثنا جامع بن ابي راشد، حدثنا ابو يعلى، عن محمد بن الحنفية، قال: قلت لابي: اي الناس خير بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال ابو بكر: قلت: ثم من، قال: ثم عمر وخشيت ان يقول: عثمان، قلت: ثم انت، قال: ما انا إلا رجل من المسلمين

ترجمہ: محمد بن حنفیہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد (علی رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل صحابی کون ہیں؟ انہوں نے بتلایا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ میں نے پوچھا پھر کون ہیں؟ انہوں نے بتلایا، اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ مجھے اس کا اندیشہ ہوا کہ اب (پھر میں نے پوچھا کہ اس کے بعد؟) کہہ دیں گے کہ عثمان رضی اللہ عنہ اس لیے میں نے خود کہا، اس کے بعد آپ ہیں؟ یہ سن کر وہ بولے کہ میں تو صرف عام مسلمانوں کی جماعت کا ایک شخص ہوں۔

[صحیح البخاری، رقم:۳۶۷۱]

غور کیجیے! کسی کی افضلیت کے تعین کا معیار تقویٰ ہے۔ تقویٰ کس کا زیادہ ہے، اور کس کا کم ہے، یہ صرف اللہ ہی جانتا ہے یا وہ جس کو اللہ بتائے۔ چنانچہ، اللہ ربّ العزت نے فرمایا ہے:

الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ ۖ فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ

ترجمہ: جو لوگ چھوٹے گناہوں (اور لغزشوں) کے سوا بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں، بیشک آپ کا رب بخشش کی بڑی گنجائش رکھنے والا ہے، وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تمہاری زندگی کی ابتداء اور نشو و نما زمین (یعنی مٹی) سے کی تھی اور جبکہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں جَنِین (یعنی حمل) کی صورت میں تھے، پس تم اپنے آپ کو بڑا پاک و صاف مَت جتایا کرو، وہ خوب جانتا ہے کہ (اصل) پرہیز گار کون ہے۔

[القرآن، سورۃ النجم، آیت نمبر ۳۲]

پھر حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فیصلہ کس بنیاد پر سنایا؟ یقیناً! یہ نبوی بشارت کی بنیاد پر آپ کا قولِ مبارک ہے۔ اس طرح اقوال کو ردّ نہیں کیا جا سکتا۔

پھر فرماتے ہیں:

"روایت میں تو ہے کہ انہوں نے محض اپنے ذاتی اجتہاد سے یزید کا تعین کیا ہے"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۳۳]

"یہ تینوں باتیں ابن عمرو اپنے اجتہاد اور یقین سے کہہ رہے ہیں، نہ کہ کسی مرفوع حدیث سے"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۳۴]

روایت میں کیا موجود ہے؟ ہم دوبارہ پیش کرتے ہیں:

فَقَالَتْ: أَكَذَاكَ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو تَجِدُهُ مَكْتُوبًا فِي الْكِتَابِ؟ قَالَ: «لَا أَجِدُهُ بِاسْمِهِ وَلَكِنْ أَجِدُ رَجُلًا مِنْ شَجَرَةِ مُعَاوِيَةَ يَسْفِكُ الدِّمَاءَ، وَيُسْتَحَلُّ الْأَمْوَالَ، وَيَنْقُضُ هَذَا الْبَيْتَ حَجَرًا حَجَرًا، فَإِنْ كَانَ ذَلِكَ وَأَنَا حَيٌّ وَإِلَّا فَاذْكُرِينِي

ترجمہ: پس اُس عورت نے کہا:

"اے عبد اللہ بن عمرو! کیا آپ نے یہ کسی کتاب میں دیکھا ہے؟"

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

"میں نے نام کے ساتھ تو نہیں دیکھا مگر یہ دیکھا ہے کہ ایک شخص معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلب میں سے عوام کا بری طرح قتل عام کرے گا، عوام کا مال وہ غیر شرعی طور پر ضبط کرے گا، اور کعبہ کی تباہی کی کوشش میں وہ گھر (بیت اللہ) کے ٹکرے ٹکرے کر دے گا، اگر یہ میری حیات میں ہو جائے تو ٹھیک ورنہ مجھے یاد رکھنا"

غور کیجیئے! کتاب میں انہوں نے دیکھا ہے کہ ایک شخص جو شجرہِ معاویہؓ سے ہو گا، وہ یہ سب افعال انجام دے گا۔ اس کے نام کا تعین انہوں نے اجتہاد سے کیا ہے، غالباَ حالات پر نگاہ ڈالی ہو گی۔ تو کیا ان کے اجتہاد کو نقل کرنا غلط ہے؟

پھر موصوف کا عجیب و غریب استدلال ہے کہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۶۵ھ میں فوت ہوئے اور آپ نے حرّہ کا دور پایا ہے، اور اس روایت میں حرّہ کی جانب اشارہ ہے۔ تو جب یہ واقعات ہو رہے تھے، تب عورت نے یہ کلمات ادا کیوں نہ کہے؟

اس سوال کا جواب صرف یہ ہے کہ آپ سے کس نے کہا کہ عورت نے اس وقت یہ کلمات ادا نہیں کیے؟ ہو سکتا ہے کہ اس وقت بھی کیے ہوں، پھر یہ بات حجاج والے واقعے میں دوبارہ یاد آئی ہو۔ یہ تو کوئی متن پر اعتراض ہی نہیں بنتا۔

پھر فرماتے ہیں:

"آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ روایت کس قدر تناقضات سے لبریز ہے! روایت کا اوّل و آخر ایک دوسرے سے ٹکرایا جا رہا ہے، اوّل و آخر میں نہ کوئی مطابقت ہے نہ ربط"

[یزید کا 'فتنہ' اور اس کی حقیقت، صفحہ نمبر ۳۸]

الحمد اللہ! اس روایت میں کوئی تناقض و ٹکراؤ نہیں، بس زبردستی ٹکر لگوائی گئی ہے۔

خلاصہ کلام:

۱۔ حدیثِ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سند کے لحاظ سے درجہ حسن کو پہنچتی ہے۔

۲۔ مذکورہ روایت میں علی بن زید بن جدعان یا محمد بن سرین ہیں ہی نہیں۔

۳۔ اس روایت کے متن میں کوئی عیب نہیں ہے۔

۴۔ اس روایت کی تین علماء سے تصحیح یا تحسین ثابت ہے۔